بحث ونظر

AHMED SHERIFF
ARAPPA THOTA

نسخ فی القرآن کا مسئلہ

——— مولانا ابراہیم عادل

قرآن مجید کے تعلق سے ناسخ منسوخ کے موضوع پر متقدمین اور متاخرین کی درجنوں سے اوپر نہایت اہم تصانیف موجود ہیں، نیز سینکڑوں سے متجاوز مختصر ومطول مقالات مطبوعہ اور غیر مطبوعہ شکل میں دستیاب ہیں، لیکن اس کے باوجود موضوع پر ابھی لکھنے کی بہت گنجائش ہے۔ اب تک جو کچھ لکھا گیا ہے اس کے مطالعہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اس بحث میں علماء کی تین جماعتیں ہوگئی ہیں ایک جماعت وہ ہے جس کے یہاں اثبات نسخ میں پوری فیاضی سے کام لیا گیا ہے حتی کہ بعض ایسی آیات بھی منسوخات کی فہرست میں داخل کر دی گئی ہیں جن کی حیثیت دین میں اصول کی ہے، دوسرا گروہ وہ ہے جو قرآن مجید میں نسخ کے وقوع کا یک قلم منکر ہے اور ان آیات کو جن میں نسخ واقع ہوا ہے تاویلات باردہ کی خراد پر چڑھاتا ہے، ہمارے نزدیک یہ دونوں جماعتیں اس بحث میں صحیح راستے سے ہٹ گئی ہیں، تیسرا گروہ ان لوگوں کا ہے جو ان دونوں انتہاؤں کے درمیان نقطۂ اعتدال پر ہے، اگرچہ اس نظریہ کے حامل حضرات کے نزدیک منسوخ آیات کی تعداد میں اتفاق نہیں ہے ابن العربی مالکی اور جلال الدین سیوطیؒ جیسے حضرات کے نزدیک تقریباً بیس آیات منسوخ ہیں جبکہ شاہ ولی اللہؒ نے اپنے رسالے الفوز الکبیر فی اصول التفسیر میں فقط پانچ آیتوں میں نسخ تسلیم کیا ہے اور باقی آیات کی توجیہ کر دی ہے، شاہ صاحبؒ نے جن پانچ آیات میں نسخ تسلیم کیا ہے ہمارے نزدیک ان میں سے فقط ایک آیت وصیت منسوخ ہے اور دو آیتیں جو شاہ صاحبؒ کے نزدیک منسوخ نہیں ہیں اور ہمارے نزدیک ان میں قطعی طور پر نسخ ثابت ہے سورۂ نساء کے رکوع سوم کی بالکل ابتداء میں علی الترتیب واقع ہیں ہمارے نزدیک فقط یہ تین آیتیں ایسی ہیں جن میں قطعی طور پر نسخ واقع ہوا ہے ان تین آیتوں کے سوا اور کوئی آیت ایسی نہیں ہے جس میں اس معنی میں نسخ واقع ہوا ہو کہ منسوخ حکم پر عمل کرنا غلط ہو گیا ہو، احقر نے ایسی آیات پر جن کی تعداد کم وبیش سترہ ہے ایک الگ مضمون میں بحث کی ہے اور اشکالات

کو رفع کرنے کی پوری کوشش کی ہے، اس مضمون میں ہمیں اقسام نسخ پر بحث کرنی ہے۔ نیز جو غلط نظریے اقسام نسخ کے سلسلے میں اہلِ علم کے بعض حلقوں میں روایتی طور پر پھیلے ہوئے ہیں ان کی پوری تردید بھی اس مقالہ کا موضوع ہے۔ علماء کرام نے عام طور پر قرآن مجید کی منسوخ آیتوں کی تین قسمیں فرمائی ہیں (۱) منسوخ التلاوۃ والحکم (۲) منسوخ التلاوۃ دون الحکم (۳) منسوخ الحکم دون التلاوۃ۔ پہلی دونوں قسمیں ہمارے نزدیک دراصل تہ بر تہ مغالطوں کی پیداوار ہیں جن کی کوئی بنیاد ہی سرے سے نہیں ہے۔

نسخ کے اثبات میں سورۂ بقرہ کی اس آیت سے استدلال کیا جاتا ہے:

ما ننسخ من ایۃ او ننسھا نات بخیر منھا او مثلھا۔ (البقرہ ۱۰۶)	جس آیت کو ہم منسوخ کرتے ہیں یا بھلاتے ہیں تو اس سے بہتر یا اسی جیسی دوسری لے آتے ہیں"

اس آیت میں تین لفظ خاص طور پر قابلِ غور ہیں، نسخ، ایۃ، انساء، ذیل کی سطور میں ہم ان الفاظ کی تحلیل کرتے ہیں۔

نَسَخَ یَنْسَخُ فتح یفتح سے آتا ہے اس لفظ کے حقیقی معنی ہیں مٹانا ختم کرنا، ہٹانا، چنانچہ یہ معنی قرآن مجید میں بھی استعمال ہوئے ہیں:

فینسخ اللہ مایلقی الشیطان (الحج ۵۲)	جو کچھ بھی شیطان خلل اندازیاں کرتا ہے اللہ ان کو مٹا دیتا ہے۔

نیز کہا جاتا ہے:

نسخت الشمس الظل	دھوپ نے سایہ کو ختم کر دیا

اسی مناسبت سے تحویل تبدیل تغیر نقل وغیرہ کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے، دوسرا قابلِ غور لفظ "آیۃ" ہے، اس لفظ کے اوپر مولانا مودودیؒ کا نوٹ ملاحظہ فرمائیے:

"آیت کے اصل معنی اس نشانی یا علامت کے ہیں جو کسی چیز کی طرف رہنمائی کرے۔ قرآن مجید میں یہ لفظ چار مختلف معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ کہیں اس سے مراد محض علامت یا نشانی ہے۔ کہیں آثار کائنات کو اللہ کی آیات کہا گیا ہے۔ کیونکہ مظاہر قدرت میں سے ہر چیز اس حقیقت کی طرف اشارہ کر رہی ہے جو اس ظاہری پردے کے پیچھے مستور ہے۔ کہیں ان معجزات کو آیات کہا گیا ہے

جو انبیاء علیہم السلام لے کر آئے تھے کیونکہ یہ معجزات دراصل اس بات کی علامت ہوتے تھے کہ یہ لوگ فرمانروائے کائنات کے نمائندے ہیں۔ کہیں کتاب اللہ کے فقروں کو آیات کہا گیا ہے، کیوں کہ وہ نہ صرف حق وصداقت کی طرف رہنمائی کرتے ہیں بلکہ فی الحقیقت اللہ کی طرف سے جو کتاب بھی آتی ہے اس کے محض مضامین ہی میں نہیں اس کے الفاظ اور انداز بیان اور طرز عبارت تک میں اس کے جلیل القدر مصنف کی شخصیت کے آثار نمایاں طور پر محسوس ہوتے ہیں۔ ہر جگہ عبارت کے سیاق وسباق سے بآسانی معلوم ہوجاتا ہے کہ کہاں آیت کا لفظ کس معنی میں آیا ہے [۱]

کتاب اللہ کے فقروں کو بھی "آیات" کہا گیا ہے عام اس سے کہ وہ کس چیز پر مشتمل ہیں۔ انھیں قرآنی فقروں میں وہ فقرے بھی شامل ہیں جو اللہ کی طرف سے ایجابی یا سلبی نوعیت کے احکام پر مشتمل ہوتے ہیں۔ زیر بحث آیات میں قرینہ بتاتا ہے کہ یہاں وہ فقرے مراد لئے گئے ہیں جو احکام پر مشتمل ہوں۔ یہ بھی واضح رہے کہ قرآن مجید نے جس طرح قرآنی فقروں کو "آیات" کہا ہے، اسی طرح سابقہ کتابوں کے فقرات کے لیے بھی اس لفظ کا استعمال کیا ہے۔ زیر بحث آیات میں چونکہ یہ لفظ نکرہ ہے اس لیے قرآن مجید اور سابقہ آسمانی کتابیں بھی اس میں شامل ہیں۔ لہذا وہ لوگ غلطی پر ہیں جو یہاں اس لفظ کو فقط قرآن مجید یا فقط سابقہ آسمانی کتابوں کے لیے ہی خاص کرتے ہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ یہاں "آیت" سے مراد احکام پر مشتمل فقرات ہیں عام اس سے کہ وہ قرآن مجید میں واقع ہوئے ہوں یا سابقہ کتابوں میں۔

تیسرا لفظ جو قابل توجہ ہے "اِنساء" ہے، یہ باب اِفعال سے مصدر ہے، اس کے معنی ہیں بھلانا، نظر انداز کرنا۔ یہ بھلانا اور نظر انداز کرنا ہے کیا؟ اس اہم سوال کے جواب میں ہمارے ہاں کی درس گاہوں اور دینی تعلیم گاہوں میں بعض روایتیں پیش کی جاتی ہیں جن کا غلط ہونا بالکل واضح ہے لیکن افسوسناک بات یہ ہے کہ یہ چیزیں بعض قابل اعتبار کتابوں تک میں موجود ہیں، اگرچہ ان کتابوں میں ان واہیات اور خرافات کا وجود محض غلط فہمیوں کا پیدا کردہ ہے لیکن بعد کو ان مغالطوں کو علمی اور نظریاتی حیثیت دے کر متفق علیہ مسئلے کی شکل دیدی گئی۔

لیکن ان روایات پر جب اصول کی روشنی میں نقد کیا جاتا ہے تو پہلی ہی نظر میں معلوم ہوجاتا ہے کہ ایسی تمام روایتیں یک قلم مردود ہیں۔ ان روایات و آثار میں جو بات قدر مشترک کے طور پر پائی

جاتی ہے وہ کچھ ایسا تصور ہے کہ بعض مرتبہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کوئی آیۃ یا سورۃ لوگوں کو سکھائی لیکن من جانب اللہ بعض وجوہ کی بنا پر لوگوں کی قوت حافظہ پر نسیان طاری کردیا گیا اور وہ آیت یا سورۃ لوگوں کے حافظہ سے محو کردی گئی۔ اگرچہ ایسا ہونا کوئی امر محال نہ تھا لیکن بہر حال کسی شے کے وجود کے امکان سے ہی اس کا وجود لازمی نہیں ہوجاتا تا آنکہ خارج سے کوئی دلیل اس کے وجود پر قائم نہ ہوجائے۔ لیکن زیر بحث مسئلہ میں بعض روایات تو محض ایجاد کردہ ہیں جس سے قرآن کی شان بہت بلند ہے اور بعض روایات اگرچہ درست ہیں لیکن غلط فہمی سے ان کا مطلب بگاڑ لیا گیا ہے۔ بطور نمونہ کے ہم ایک دو روایات کا ذکر کرتے ہیں۔

و اخرج الطبرانی فی الکبیر	"طبرانی نے اپنی کتاب الکبیر میں تخریج کی ہے
عن ابن عمر قال قرأ رجلان	کہ ابن عمر روایت کرتے ہیں کہ دو صاحبان
سورۃ اقرءھما رسول اللہ صلی	نے ایک سورۃ پڑھی جسے اللہ کے رسولؐ نے
اللہ علیہ وسلم فکانا یقرآن	انھیں پڑھایا تھا وہ دونوں اسے پڑھا
بھا فقاما ذات لیلۃ یصلیان	کرتے تھے۔ ایک رات کو وہ نماز کے لیے
فلم یقدرا منھا علی حرف فاصبحا	جو کھڑے ہوئے تو انھیں اس "سورۃ" کا ایک
غادیین الی رسول اللہ صلی اللہ	حرف بھی یاد نہیں آیا اور یہ نہ پڑھ سکے۔ صبح
علیہ وسلم فذکرا ذالک لہ	کو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں
فقال انھا مما نسخ تلاوتہ	حاضر ہوئے اور اس "حادثہ" کی آپ کو
فالھوعنھا[1]	اطلاع دی تو آپؐ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ وہ
	'سورۃ' منسوخ شدہ چیزوں میں سے ہے لہذا
	اس کی طرف توجہ نہ کرو"

اس روایت میں یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ ان دونوں آدمیوں کو جو سورہ سکھائی گئی تھی اس کی قرآنیت کا ادنیٰ اشارہ بھی اس روایت میں نہیں ہے، لیکن نہ جانے کیونکر انھیں قرآن سمجھ لیا گیا۔

اس روایت کی سند اگیا قیمت ہے! اس بحث میں پڑنا بالکل غیر ضروری ہے۔ تاہم سوال یہ ہے کہ قرآن مجید کا کوئی حصہ کوئی آیت یا سورۃ ایسی بھی ہے جو اللہ کے رسول نے فقط دو آدمیوں کو ہی پڑھائی ہو؟ اور باقی لوگ اس سے محروم رکھے گئے ہوں! اگر اس کا جواب نفی میں ہے اور یقیناً نفی میں ہی ہے تو آخر اس روایت کا کیا مطلب ہے؟ جس سے واضح طور پر یہ معلوم ہو رہا ہے کہ یہ

"سورۃ" فقط ان دو حضرات کو سکھائی گئی تھی جنھیں نسیان کا مذکورہ حادثہ پیش آیا ورنہ اگر اس سورۃ کی تعلیم میں سارے مسلمان شریک ہوتے تو نسیان کا حادثہ بھی سب ہی کو پیش آتا اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہ حادثہ پیش آتا۔ لیکن روایت میں ایسی کوئی چیز نہیں ملتی۔ معلوم ہوتا ہے کہ بعد کے راوی نے ابن عمر کی بات کو پوری طرح نہیں سمجھا جس کی وجہ سے صحیح الفاظ میں وہ واقعہ کی تعبیر نہ کر سکا اور خلق خدا کو قرآن مجید کے متعلق غلط فہمیوں میں لاشعوری طور پر مبتلا کر دیا۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو حضرات کو کسی وجہ سے کوئی دُعا سکھائی، کام پورا ہو جانے کے بعد وہ لوگ بھول گئے۔ اللہ کے رسول نے بتایا کہ وہ سورۃ اسی لیے تھی کہ بعد میں بھلادی جائے لہذا اس کا خیال نہ کرو۔ شاید بعد کے لوگوں کو مغالطہ سورۃ کے لفظ سے ہوا ہے۔ کاش یہ حضرات غور کرتے کہ "روایات" میں بعض دعاؤں کو مثلاً دعائے قنوت کو بھی "سورۃ" کہہ دیا گیا ہے حالاں کہ یہ ظاہر ہے کہ دعائے قنوت وغیرہ کبھی قرآن نہ تھیں۔ اس طرح کی اور بھی بہت سی روایات ذخیرہ کتب میں ملتی ہیں جن میں بعض تو یقیناً وضاعین حدیث کی کاوشوں کا ثمرہ ہیں، اور بعض روایات اگرچہ موضوع نہیں ہیں لیکن ان کا مقصد متعین نہ ہو سکا جس کا انجام یہ ہوا کہ منسوخات کی سہ گانہ تقسیم کی گئی اور بڑے طنطنہ کے ساتھ اس قسم کی بر خود غلط "روایات" میں مذکور عبارات کو قرآن قرار دیا گیا اور پھر قرآن مجید میں موجود نہ پاکر ان عبارات کے متعلق یہ نظریہ ایجاد کر لیا گیا کہ 'یہ عبارتیں' قرآن کی ایسی آیات ہیں جو حکم اور الفاظ سمیت اللہ تعالیٰ نے منسوخ فرمادی ہیں، رفتہ رفتہ یہ بر خود غلط نظریہ ایک علمی مسئلہ کی شکل اختیار کر گیا، جبکہ اس قسم کی تمام چیزیں احکام کے بجائے اخبار پر مشتمل ہیں اور اخبار میں نسخ نہیں ہوتا۔

علم الٰہی میں جو احکام مؤقت ہوتے ہیں ان کا وقت پورا ہو جانے پر انھیں دو طریقوں میں سے کسی ایک طریقہ کے ذریعہ ختم کر دیا جاتا ہے، ان دونوں طریقوں کے نام نسخ اور انساء ہیں۔ نسخ اس صورت کو کہا جاتا ہے کہ "حکم" کے الفاظ اور اس کی عبارت باقی رکھی جائے لیکن اس عبارت سے نکلنے والے حکم کو کوئی دوسرا حکم آکر ختم کر دے اور ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ مؤقت حکم کے بدلے میں کوئی دوسرا حکم نہ آئے بلکہ براہ راست پہلے حکم کا نام لے کر اسے ختم کر دیا جائے۔ یہ ساری شکلیں لفظ نسخ کے حدود میں داخل ہیں۔ اور انساء کا اطلاق ایسی صورت میں ہوتا ہے کہ حکم کے ساتھ اس کی عبارت بھی واپس لے لی جائے۔ اس طرح گویا پہلے حکم سے مکمل طور پر نظر ہٹانا اور اسے بالکلیہ ختم کرنا منظور ہوتا ہے، جبکہ پہلی شکل میں بعض عظیم تر مصالح کے تحت حکم کو ختم کر کے اس کے الفاظ اور عبارت کو باقی رکھا جاتا ہے۔ جہاں تک متعین طور پر قرآن مجید میں نسخ و انساء کے وقوع کا معاملہ ہے تو اس سلسلے میں جہاں

تک سورۂ بقرہ کی زیر بحث آیت کی بات ہے تو ظاہر ہے کہ اس سے فقط امکان ہی ظاہر ہوتا ہے، باقی رہا تعیین کے ساتھ کسی آیت میں نسخ و انسار کے وقوع کا معاملہ تو وہ فقط اسی صورت میں قابلِ تسلیم ہے کہ جب دو احکامی آیتوں میں صریح تعارض پایا جائے کہ دونوں میں سے ایک کا ترک ناگزیر ہو جائے۔ اگر یہ صورت پیش آ جائے تو مقدم کو منسوخ مان کر مؤخر کو اس کے لیے ناسخ تسلیم کر لیا جائے گا۔ اور اگر منسوخ حکم کے بدلے میں کوئی دوسرا حکم نہیں آیا ہے تو پھر جس حکم کو منسوخ کیا جا رہا ہے اُسے منسوخ ثابت کرنے کے لئے یہ ضروری ہوگا کہ اس حکم کی عبارت کے ہم پلہ و ہم مرتبہ کوئی چیز اسے واضح الفاظ میں منسوخ ٹھہرائے جو ہماری تحقیق کے مطابق قرآن کے لیے فقط قرآن ہی ہو سکتا ہے دوسری کوئی چیز یہ حق نہیں رکھتی۔ متقدمین علماء نے تو قرآن کی تقریباً پانچ سو۵۰۰ آیات کو منسوخ قرار دیا تھا لیکن بعد کو یہ تعداد برابر گھٹتی رہی۔ متقدمین اور متاخرین کے اس اختلاف کا مطلب یہ نہیں تھا کہ متقدمین پر قرآن کی زیر بحث آیات کے وہ معانی منکشف نہیں ہوئے تھے جن سے متاخرین بہرہ ور ہوئے! بلکہ اس اختلاف کی وجہ "نسخ" کے حقیقی معنی اور مراد کی تعیین تھی۔ متقدمین نے دو مختلف حکموں میں ظاہری اور بسا اوقات بالکل غیر متعلق اختلاف کی بھی توجیہ کی زحمت گوارا نہیں فرمائی۔ ورنہ جو کاوش انھوں نے مختلف احادیث کے محامل بیان کرنے میں اٹھائی تھی اگر اس کاوش کا نصف حصہ بھی وہ بظاہر قرآن کی مختلف آیتوں کی توجیہ اور ان کے محامل بیان کرنے میں صرف کر دیتے تو شاید ان کے یہاں منسوخ آیات کے سلسلے میں جو عظیم الشان بے اعتدالی پائی جاتی ہے اس کا وجود نہ ہوتا۔ ہمارے نزدیک منسوخ حکم فقط وہ کہلائے گا جس پر عمل کرنا بالکل غلط اور خلاف دین ہو گیا ہو، ورنہ اگر پہلے حکم پر استحباب کی حد تک بھی عمل درآمد کی گنجائش ہوتی تو اس حکم کو منسوخ نہیں کہا جائے گا، اور یہ بات ہم نسخ کے اصلی معنی کو پیشِ نظر رکھ کر کہہ رہے ہیں، اور اس طرح سے ہمارے نزدیک قرآن مجید میں فقط تین آیتیں منسوخ ہیں۔

بحث کا خلاصہ یہ ہوا کہ قرآن مجید میں منسوخ آیات تو موجود ہیں (اگرچہ بہت ہی کم ہیں) لیکن قرآن کے کسی چھوٹے سے چھوٹے جُزو کو بھی اللہ نے نازل فرما کر واپس نہیں لیا ہے، قرآن کی شان اس سے بلند ہے کہ اس کے کسی ادنیٰ جزو کے بارے میں بھی انسار (بھلا دیے جانے) کا تصور کیا جائے۔[۳]

نسخ کی اقسامِ ثلٰثہ پر تفصیلی گفتگو

عام طور پر علماء منسوخ آیات کی تین قسمیں بیان کرتے ہیں (۱) منسوخ التلاوۃ مع الحکم (۲) منسوخ التلاوۃ دون الحکم (۳) منسوخ الحکم دون التلاوۃ۔

ہم ان تینوں قسموں پر علی الترتیب مختصر گفتگو کریں گے۔

پہلی قسم پر بحث

پہلی قسم یعنی منسوخ التلاوۃ مع الحکم کے سلسلے میں جو روایتیں پیش کی جاتی ہیں ان کی دو قسمیں ہیں۔ کچھ روایات تو ایسی ہیں جن میں فقط یہ بیان ہوا ہے کہ فلاں سورۃ میں دراصل اتنی اور اتنی آیتیں تھیں لیکن بعد میں صرف اُتنی باقی رہ گئیں جتنی کہ اب موجود ہیں اور کچھ روایات ایسی ہیں جن میں بعض عبارات تک کی نشاندہی اس طرح کی گئی ہے کہ یہ عبارتیں دراصل قرآن کی منسوخ شدہ عبارتیں ہیں۔ ان میں سے قسم اوّل کی چند روایات ہم علوم القرآن پر مشہور تالیف الاتقان فی علوم القرآن (جو دراصل صاحب تصنیف شیخ جلال الدین السیوطیؒ کی تفسیر مجمع البحرین کا مقدمہ ہے) سے نقل کر رہے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

قال ابو عبید حدثنا اسمٰعیل بن ابراھیم عن ایوب عن نافع عن ابن عمرؓ قال لیقولن احدکم قد اخذتُ القرآن کُلّهٗ وَمَا یدریه ما کُلّه قد ذهب منه قرآن کثیر ولکن لیقل قد اخذتُ منهٗ ما ظهر منه	ابو عبید کہتے ہیں کہ ہم سے اسمٰعیل بن ابراہیم نے بیان کیا کہ ایوب نافع سے اور وہ ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا کہ تم میں سے ایک آدمی کہتا ہے کہ میں نے سارا قرآن حاصل کر لیا حالانکہ اسے پتہ نہیں کہ پورا قرآن کتنا ہے، اس میں سے بہت سا قرآن کا حصّہ ضائع ہو گیا ہے۔ لیکن اُسے یہ کہنا چاہیے کہ قرآن کا وہ حصّہ میں نے حاصل کیا ہے جو ظاہر ہے اور موجود ہے۔

اس روایت کے متعلق یہ تحقیق کہ علماء رجال نے کن راویوں پر کلام کیا ہے کن راویوں کی توثیق کی ہے ہمارے نزدیک فضول عمل ہے اس لیے کہ اس طرح کی روایتوں کے راوی اگر علماء رجال کے نزدیک ہر فتنے سے محفوظ اور بالکل ثقہ بھی ہوں (اگرچہ فی الواقع ایسا ہو نہیں سکتا) تو بھی یہ اور اس جیسی تمام روایتیں اسی کی مستحق ہیں کہ انھیں رد کر دیا جائے۔ اس لیے کہ اگر کوئی باطل چیز بزرگوں کی طرف منسوب ہو جائے تو وہ غلط چیز مقدس نہیں ہو جائے گی البتہ اگر نسبت درست ثابت ہو جائے تو بزرگوں کا تقدّس ضرور خطرے میں پڑ جائے گا! یقین کے ساتھ یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ اس

روایت کی ابن عمرؓ کی جانب نسبت کسی زندیق نے ہی کی ہے۔ مزید روایت ملاحظہ فرمائیے:

وقال حدثنا ابن ابی مریم عن ابن لهیعة عن ابی الاسود عن عروة بن الزبیرؓ عن عائشةؓ قالت کانت سورة الاحزاب تقرأ فی زمن النبی صلی الله علیه وسلم مأتی آیة فلما کتب عثمان المصاحف لم نقدر منها الا ما هو الآن ؎

اور ابوعبید کہتے ہیں کہ ہم سے ابن ابی مریم نے بیان کیا کہ ابن لھیعۃ ابوالاسود سے اور وہ عروہ ابن الزبیرؓ سے اور وہ حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں سورۂ احزاب کی دوسو آیتیں پڑھی جاتی تھیں لیکن حضرت عثمان نے جب مصاحف کی کتابت کرائی تو اس کے بعد سے بس اتنی ہی آیتیں باقی رہ گئیں جو اب موجود ہیں۔

اس روایت کے ماحصل کو ذرا ذہن میں رکھیے:

وقال حدثنا اسمٰعیل ابن جعفر عن المبارك بن فضالة عن عاصم بن ابی النجود عن ذر بن حُبیش قال لی ابی بن کعبؓ کاین تعد سورة الاحزاب؟ قلتُ اثنتین وسبعین آیة او ثلثةً وسبعین آیةً قال ان کانت لتعدلُ سورة البقرة وان کنا لنقرءُ فیها آیة الرجم قلتُ وما آیة الرجم؟ قال اذا زنا الشیخ والشیخة فارجموهما البتة نکالا من الله والله عزیز حکیم ؎

اور ابوعبید فرماتے ہیں کہ ہم سے اسمٰعیل بن جعفر نے بیان کیا کہ وہ مبارک بن فضالہ سے اور وہ عاصم بن ابی النجود سے اور وہ ذر بن حبیش سے روایت کرتے ہیں کہ مجھ سے ابن ابی کعبؓ نے کہا کہ سورۂ احزاب کی کتنی آیتیں ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ بہتر یا تہتر آیتیں ہیں تو ابن ابی کعب نے فرمایا کہ یہ سورۃ پہلے سورۂ بقرہ کے برابر تھی اور ہم اس سورۃ میں رجم کی آیت بھی پڑھتے تھے میں نے کہا کہ یہ آیۃ الرجم کیا چیز ہے تو انھوں نے جواب دیا کہ الشیخ والشیخۃ الخ کہ بوڑھا اور بوڑھی جب

زنا کریں تو انھیں سنگسار کر ڈالو۔"

وقال حدثنا عبد الله بن صالح عن الليث عن خالد بن يزيد عن سعيد بن ابی هلال عن مروان بن عثمان عن ابی امامة بن سهل ان خالته' قالت لقد اقرأنا رسول الله صلی الله علیه وسلم آیة الرجم الشیخ والشیخة فارجموهما البتة بما قضیا من اللذة [ـه]

اور ابوعبید نے کہا کہ ہمیں عبداللہ بن صالح نے خبر دی کہ لیث خالد بن یزید سے اور وہ سعید بن ابی ہلال سے اور وہ مروان بن عثمان سے اور وہ ابوامامہ بن سہل سے روایت کرتے ہیں کہ ان کی خالہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں "آیة الرجم" پڑھائی جس کے الفاظ یہ ہیں "الشیخ والشیخة فارجموهما البتة بما قضیا من اللذة۔ یعنی بوڑھے اور بوڑھی کو سنگسار کر ڈالو اس لیے کہ انھوں نے لذت حاصل کی ہے۔

وقال حدثنا حجاج عن ابی جریج اخبرنی ابن ابی حمید عن حمیدة بنت ابی یونس قالت قرأ علی ابی وهو ابن ثمانین ستة فی مصحف عائشة ان الله وملئکته یصلون علی النبی یایها الذین امنوا صلوا علیه وسلموا تسلیما وعلی الذین یصلون الصفوف الاول قالت قبل ان یغیر عثمان المصاحف [ـه]

ترجمہ: ابوعبید کہتے ہیں کہ ہم سے حجاج نے ابوجریج کے واسطے سے یہ روایت بیان کی کہ ان کو (ابوجریج کو) ابن ابی حمید نے حمیدة بنت ابی یونس کے حوالہ سے بتایا کہ حمیدہ کو ان کے والد نے اسّی سال کی عمر میں مصحف عائشہ سے یہ حصہ ان الله وملئکته یصلون علی النبی یایها الذین امنوا صلوا علیه وسلموا تسلیما وعلی الذین یصلون الصفوف الاول پڑھ کر سنایا۔ حمیدہ کہتی ہیں کہ یہ واقعہ مصاحف کے سلسلہ میں حضرت عثمان

کی تبدیلیوں سے پہلے کا ہے۔

نمونہ کے طور پانچ روایتیں یہاں لکھ دی ہیں، پہلی بات تو یہ یاد رکھنی ضروری ہے کہ اس قسم کی کوئی روایت اگر سنداً درست اور علت سے خالی نکل آئے تو اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہوگا کہ روایت کے متن میں اگرچہ کتنی ہی خرابیاں کیوں نہ ہوں تب بھی محض سند کی بنا پر ہی اس روایت کو جوں کا توں قبول کرلیا جائے گا اس لیے کہ روایت میں سند کی حیثیت کتنی ہی اہمیت کی حامل کیوں نہ ہو تاہم متن سے قطع نظر نہیں کیا جاسکتا اور اس میں غلطیوں کا بہرحال پورا امکان ہے لیکن یہ امکان جب واقعہ کی شکل اختیار کرجائے تو پھر اس قسم کی روایت کو کسی طرح بھی درست قرار نہیں دیا جاسکتا۔ قرآن مجید ایک ایسی کتاب ہے جس کی حفاظت کا وعدہ براہِ راست اللہ تعالیٰ نے کیا ہے اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ صادق اور کون ہوسکتا ہے، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ وعدہ قیامت تک کے لیے ہی ہے۔ اب اگر کوئی روایت یا چند روایتیں ایسی ہوں جو قرآن مجید میں تحریف کے وقوع کو ظاہر کریں تو کیا ان روایات کو محض اس بنیاد پر صحیح مان لیا جائے گا کہ اُن کے رُواۃ ثقہ ہیں اور 'حاکم' نے اور فلاں فلاں محدثین نے ان کی توثیق کی ہے، درانحالیکہ ان روایات کو صحیح تسلیم کرنے کی صورت میں وعدہ الٰہی کی تکذیب لازم آرہی ہے۔ پھر اگر کوئی شخص ان روایتوں کو درست مانتا ہے تو وہ سخت خطاوار ہے اور اس نے روایت کو وہ اصل مقام دیدیا ہے جس کا مستحق فقط قرآن مجید ہے اور اس نے روایت کو قرآن کے اوپر کسوٹی کا درجہ دے دیا ہے درانحالیکہ یہ مقام اللہ تعالیٰ نے فقط قرآن مجید کو ہی دیا ہے، ہماری اس گذارش پر نظر کرتے ہوئے اب آپ ذرا ان روایات پر تدبر کی ایک نگاہ ڈالیے۔ پہلی روایت پر ہم تبصرہ کرچکے ہیں، دوسری روایت جو عروۃ بن الزبیر کے واسطے سے حضرت عائشہ صدیقہ سے نقل ہوئی ہے اس پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ سورۂ احزاب میں حضرت عثمان کی کتابت مصاحف سے قبل دو سو آیات تھیں، جس کا واضح مطلب یہ ہوتا ہے کہ حضرت عثمان نے سورۂ احزاب کی تقریباً دو تہائی آیتیں ختم کرڈالیں اور مزید لطف یہ ہوا کہ حضرت عثمان کے اس اقدام پر کسی بھی صحابیٔ رسول حتیٰ کہ حضرت عائشہؓ نے بھی کسی قسم کا اعتراض نہیں کیا بلکہ بہت سے لوگوں نے ان کی اس کام میں مدد کی اور ان کا ہاتھ بٹایا نعوذ باللہ من الروایات الضالۃ ـــ یاد رکھیے کہ قرآن مجید کی حقانیت اور اس کی محفوظیت ایک ایسی حقیقت ہے جس کا مقام اس دُنیا کے گنے چُنے حقائق میں سرفہرست ہے، بعض لوگ اگر اس کے تعلق سے مغالطوں کا شکار ہوگئے ہیں تو اس کی ذمہ داری خود ان کے اوپر ہے قرآن کی محفوظیت اور قطعیت اس سے ہرگز متاثر نہیں ہوگی، اس دنیا کا نظام ہی کچھ ایسا واقع ہوا ہے کہ یہاں بعض لوگوں

کو بدیہی حقائق میں بھی مغالطے پیش آجاتے ہیں لیکن ظاہر ہے کہ اس قسم کے مغالطوں سے حقیقت کا چہرہ بے نور نہیں کیا جا سکتا البتہ اس طرح کے لوگوں کی مریضانہ ذہنیت سامنے آکر یہ بات ضرور سمجھ میں آجاتی ہے کہ دُنیا میں بلند سے بلند اور واضح سے واضح تر حقیقت کے متعلق بھی شکوک پیدا کرنے والے اور ان شکوک و مغالطات کا شکار ہوجانے والے برابر موجود رہتے ہیں، لیکن یہ بات بھی ضرور یاد رہے کہ اس قسم کی دانستہ یا نادانستہ کوششیں حقیقت کے آفتاب عالمتاب کو اپنے گرد و غبار کے پردوں میں چھپا نہیں سکتیں۔

تیسری اور چوتھی روایت کا حاصل یہ ہے کہ سورۂ احزاب بقرہ کے برابر تھی اور اس میں رجم کا قانون بھی تھا، اس 'آیت رجم' کے الفاظ اتنے بے تکے ہیں کہ اُنھیں کلام الٰہی کہنا بد ترین قسم کی گستاخی ہے، اور تماشہ یہ ہے کہ یہ عبارت قانون رجم کو ثابت کرنے کے بجائے اس کی بنیاد ہی منہدم کر رہی ہے، اس لیے کہ رجم کی بنیاد احصان تام پر ہے نہ کہ شیخوخت پر۔

پانچویں روایت کا حاصل یہ ہے کہ مصحف عائشہؓ میں آیت صلوٰۃ وسلام (جو الاحزاب میں واقع ہے) کے بعد علی الذین یصلون الصفوف الاول کے الفاظ بھی درج تھے، تو یہ الفاظ اپنے ذاتی مصحف میں حضرت عائشہؓ نے در اصل بطور تشریح کے اس وقت لکھے تھے جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے من جانب اللہ یہ ارشاد فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے پہلی صفوں میں نماز پڑھنے والوں پر رحمت بھیجتے ہیں۔ (اگرچہ یہ رحمت اس رحمت سے مختلف ہے جو اللہ کے یہاں نبیؐ کے لیے خاص ہے) تاہم حضرت عائشہؓ نے اشتراک فی الحکم کی بنا پر بطور یادداشت کے یہ الفاظ اپنے مصحف میں لکھ لیے تھے لیکن چونکہ یہ الفاظ قرآن نہ تھے اس لیے حضرت عثمانؓ نے جب اس طرح کے مصاحف نذر آتش کرائے اور مصحف صدیقی کی نقول تیار کرائیں تو مصحف عائشہ بھی اسی بنیاد پر جلادیا گیا کہ اس میں قرآن کے ساتھ غیر قرآن بھی شامل تھا، اور عائشہؓ اگرچہ غیر قرآن کو قرآن باور کر لینے کے فتنے سے مامون تھیں، لیکن ان مصاحف سے جو لوگ اپنے لیے نقل کرتے تھے ان کا فتنے میں مبتلا ہوجانا متوقع تھا اور عملاً ایسا ہو بھی چکا تھا، اس لیے مصحف صدیقی کے سوا تمام مصاحف جلا دیئے گئے۔

اس قسم کی اور بہت سی روایتیں ہیں مثلاً۔

عن ابی واقد اللیثی......	ابو واقد لیثی سے روایت ہے....
فجئتُ ذات یوم فقال ان اللہ	میں ایک دن آپؐ کے پاس آیا تو آپ
یقول انا انزلنا المال لاقام	نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم
الصلوٰۃ و ایتاءِ الزکوٰۃ و لو ان	نے مال اتارا ہے نماز قائم کرنے اور
لابن آدم وادیا من مال	زکوٰۃ ادا کرنے کے لیے اگر ابن آدم کے مال

لاحب ان یکون الیه الثانی و	سے بھری ایک وادی مل جائے تو دوسری
لو کان الیه الثانی لاحب ان	کی خواہش کرے گا اور دوسری مل جائے
یکون الیه الثالث ولا یملأ	تو تیسرے کی خواہش کرے گا۔ ابن آدم
جوف ابن آدم الا التراب	کا پیٹ تو مٹی ہی بھر سکتی ہے۔ اللہ ہر اس
ویتوب الله علی من تاب۔	شخص کی توبہ قبول کرے گا جو تائب ہوگا۔

یا اسی انداز کی ایک اور روایت

عن ابی بن کعب قال قال لی	ابی ابن کعب سے روایت ہے کہ ان سے
رسول الله صلی الله علیه وسلم	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
ان الله امرنی ان اقرأ علیك	اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں قرآن
القرآن فقرأ لم یکن الذین	سناؤں پس آپ نے سورۃ لم یکن
کفروا من اهل الکتاب و	الذین کفروا سنائی۔ اور اس کے اخیر
المشرکین ومن بقیتها لو ان	میں یہ ہے کہ اگر ابن آدم ایک وادی مال
ابن آدم سال وادیا من مال فأعطیه	طلب کرے اور اسے میں دے دوں تو
سال ثانیا وان أعطیه ثانیا سال	وہ دوسری طلب کرے گا اور اگر دے دوں تو
ثالثا ولا یملأ جوف ابن آدم الا	تیسری مانگے گا۔ ابن آدم کا پیٹ تو مٹی ہی بھر
التراب ویتوب الله علی من تاب	سکتی ہے اور جو توبہ کرے گا اللہ اس کی توبہ قبول فرمائے گا
	اور بلاشبہ اللہ کے نزدیک دین تو حنیفیت
وان ذات الدین عند الله الحنیفیة	(کامل یکسوئی) ہے یہودیت یا نصرانیت نہیں
غیر الیهودیة ولا النصرانیه و	اور جو شخص بھلائی کرے گا تو یہ عمل رائیگاں
من یعمل خیرا فلن یکفره۔	نہیں ہوگا۔

یہ روایت جیسا کہ اس کا انداز اور ساخت بتا رہی ہے دراصل رسول اللہ کی کسی تقریر کا جزو ہے اور آپ نے اس میں دین کی بنیادی حکمتیں قرآن کے حوالے سے بیان فرمائیں، لیکن بعد کو لفظ قرآن سے لوگوں کو ایسا دھوکا لگا کہ اسے قرآن سمجھ لیا گیا اور جب اُسے قرآن میں نہ پایا تو منسوخ التلاوۃ مع الحکم کا نظریہ تصنیف کر لیا گیا۔ مزید سُنیے:

عن ابی موسی الاشعری قال	ابو موسیٰ اشعری سے روایت ہے، وہ کہتے
نزلت سورۃ ثم رفعت وحفظ	ہیں کہ ایک سورہ اتری پھر وہ اٹھائی

منها · ان الله سيؤيد هذا الدين باقوام لا خلاق لهم ولو ان لابن آدم واديا من مال

گئی اس میں سے یہ حصہ انھیں یاد رہ گیا کہ اللہ تعالیٰ اس دین کی تائید ایسے لوگوں سے کرائے گا جو بظاہر نصیبے والے نہیں ہیں (اس کے آگے بھی ابن آدم کی ہوس ناکی والی بات ہے)

مزید ملاحظہ کیجئے :-

واخرج ابن ابی حاتم عن ابی موسی الاشعری قال کنا نقرأ سورة نشبهها باحدی المسبحات ماانسیناها غیر انی حفظت منها یاایها الذین امنوا لا تقولون مالا تفعلون فتکتب شهادة فی اعناقکم فتسئلون عنها یوم القیٰمة۔

ابوموسیٰ اشعری ہی سے روایت ہے کہ ہم لوگ مسبحات کی مانند ایک سورہ پڑھا کرتے تھے پھر وہ سورہ بھول گئی البتہ ایک حصہ اس کا یہ یاد ہے کہ اے لوگو جو ایمان لائے ہو وہ بات مت کہو جو کرتے نہیں ہو ورنہ وہ گواہی تمہاری گردن میں لکھ دی جائے گی اور قیامت کے روز اس کے بارے میں سوال ہوگا۔

عن بن عدی قال قال عمرؓ انا نقرأ · لا ترغبوا عن اباءکم فانه کفر بکم قال لزید بن ثابت اکذلک ؟ قال نعم !

عدی بن عدی کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے کہا کہ ہم یہ پڑھا کرتے تھے 'لا ترغبوا عن آبائکم فانہ کفر بکم' پھر انھوں نے زید بن ثابت سے اس کی تصدیق چاہی تو انھوں نے بھی اس کی تائید کی۔

عن المسور بن مخرمه قال قال عمر لعبد الرحمٰن بن عوف · الم تجد فیما انزل علینا ان جاهدوا کما جاهدتم اول مرة" فانا لا نجدها قال سقطت فیما اسقط من القرآن

مسور بن مخرمہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر نے عبدالرحمٰن ابن عوف سے کہا کہ کیا تم 'جاھدوا کما جاھدتم اول مرۃ' کے الفاظ قرآن میں نہیں پاتے اس لیے کہ اب ہم اسے نہیں دیکھتے تو انھوں نے فرمایا کہ قرآن کے جو حصے ساقط ہو گئے ہیں

ان میں یہ بھی ہے۔

مسلمۃ بن مخلد الانصاری قال لھم ذات یوم اخبرونی بآیتین فی القرآن لم یکتبا فی المصحف فلم یخبروہ و عندھم ابو الکنود سعد بن مالك فقال ابن مسلمۃ ان الذین آمنوا وھاجروا وجاھدوا فی سبیل اللہ باموالھم وانفسھم الا ابشروا انتم المفلحون والذین آووھم ونصروھم وجادلوا عنھم القوم الذین غضب اللہ علیھم اولئك لا تعلم نفسٌ ما اخفی لھم من قرۃ اعین جزاءً بما کانوا یعملون ٥

مسلمہ بن مخلد انصاری نے لوگوں سے پوچھا کہ مجھے قرآن کی وہ دو آیتیں سناؤ جو مصحف میں درج نہیں کی گئیں لوگوں نے اس کا کوئی جواب نہ دیا ان کے درمیان ابوالکنوز سعد بن مالک بھی تھے۔ ابو مسلمہ نے کہا وہ آیتیں یہ ہیں انَّ الذین آمنوا وھاجروا سے وانتم المفلحون تک اور دوسری آیت والذین آووھم سے کانوا یعملون تک۔

وفی الصحیحین عن انس فی قصہ اصحاب بئر معونۃ الذین قُتلُوْ وقنت یدعو علی قاتلھم" قال انس ونزل فیھم قرآن قرأناہ حتی رفع "ان بلغو عنا قومنا انا لقینا ربنا فرضی عنا وارضانا

اور صحیحین میں حضرت انس سے قصہ بئر معونہ میں شہید ہونے والوں کے بارے میں روایت ہے کہ ان کے قاتلوں کو قنوت میں بددعا کی گئی۔ حضرت انس نے کہا کہ ان کے بارے میں قرآن نازل ہوا کہ "ہماری قوم کو ہماری طرف سے یہ پیغام دیدو کہ" ہم نے اپنے رب سے ملاقات کی تو وہ ہم سے راضی ہوگیا اور ہمیں راضی کر دیا" ہم اس کو پڑھتے رہے حتی کہ اسے اٹھا لیا گیا۔

وفی المستدرک عن حذیفۃ قال ما تقرأون ربعھا یعنی براءۃ۔ قال الحسین بن انباری فی کتابہ الناسخ والمنسوخ "ومما رفع رسمہ من القرآن ولم یرفع من القلوب حفظہ سورتا القنوت فی الوتر وتسمی سورتی الخلع والحفد"	مستدرک میں حضرت حذیفہ سے مروی ہے کہ "تم سورۃ براءۃ کا صرف چوتھائی حصہ پڑھتے ہو" حسین بن انباری نے اپنی کتاب ناسخ ومنسوخ میں کہا ہے کہ جن سورتوں کا قرآن میں لکھا جانا منسوخ ہوگیا اور وہ دلوں میں محفوظ ہیں ان میں وتر میں پڑھی جانے والی قنوت کی دو سورتیں ہیں۔ ان کا نام خلع اور حفد تھا۔

یہ روایتیں یا اسی قسم کی بعض اور روایتیں ہیں جو عام طور پر اس موضوع سے متعلق کتابوں میں مذکور ہیں، ان تمام روایتوں میں بلا استثنا اخباری نوعیت کی چیزیں ذکر کی گئی ہیں، حالانکہ یہ بات بالکل طے ہے کہ نسخ کا وقوع فقط احکام میں ہی ہوسکتا ہے اخبار میں نہیں۔ نیز ان روایتوں میں جن عربی عبارتوں کو قرآن منسوخ ظاہر کیا گیا ہے اور ان میں جو باتیں اور حقائق بیان کئے گئے ہیں وہ حقائق قرآن مجید میں تمام کے تمام آج بھی موجود ہیں اور اتنے قطعی ہیں کہ ان کے نسخ کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا۔ دراصل اس قسم کی تمام چیزیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور بعض صحابہ کرام کی تقریروں اور مواعظ کا وہ حصہ ہیں جو انھوں نے قرآن کے حوالے سے بیان فرمایا اور لوگوں نے انھیں اپنے انفرادی مصاحف میں بطور یادداشت کے تفسیر قرآن کے طور پر لکھ لیا تھا بعد کے کچھ لوگ اس فرق کو قائم نہ رکھ سکے اور انھوں نے ان تمام زیادات اور تفسیرات کو بھی قرآن سمجھ لیا اور اس طرح اختلافات پیدا ہونے لگے۔ ایک عرصہ تک یہ اختلافات کچھ دبے دبے سے رہے لیکن خلافت عثمانی میں یہ اختلافات ایک خطرناک فتنے کی شکل اختیار کرگئے بعض صحابہؓ حذیفہ بن الیمان وغیرہ کی تحریک پر حضرت عثمان نے اس اختلاف کی علت متعین کرنے کی کوشش کی تو پتہ چلا کہ اختلاف مصاحف دراصل اس فتنے کی بنیاد ہے۔ چنانچہ حضرت عثمان نے مثبت اور منفی دونوں پہلوؤں سے اس کا علاج اس طرح کیا کہ مصحف صدیقی کی متعدد نقلیں کرا کے مقبوضہ علاقوں میں روانہ فرمائیں اور ساتھ ہی ایک معتبر معلم بھی بھیجا اس کارروائی کے بعد فتنے کی اصل بنیاد تعدد مصاحف کو ختم فرمایا اور ڈھونڈ ڈھونڈ کر مصحف صدیقی سے کسی بھی اعتبار سے مختلف مصاحف کو نذر آتش کیا اور اس طرح مکمل طور پر یہ فتنہ ختم ہوگیا، لیکن زبانی طور پر جیسا کہ عام طور پر ہوتا ہے بعض چیزیں بعد کے لوگوں تک بھی پہونچ گئیں اور چونکہ مصاحف کے حوالے سے پہونچی تھیں اس لئے لوگوں نے انھیں مغالطے سے

قرآن سمجھ لیا اور جب قرآن میں یہ چیزیں نہ مل سکیں تو مجبوراً نئے نئے نظریات کی پناہ لینی پڑی جو روایات ہم نے گذشتہ صفحات میں نقل کی ہیں اُن سے یہ بات پوری طرح الم نشرح ہوجاتی ہے کہ حضرت عثمان نے جن مصاحف کو ختم کرایا تھا وہ مصحف صدیقی سے محض وجوہ قرارات اور اختلاف لغات کی وجہ سے ہی مختلف نہ تھے بلکہ ان میں کمی بیشی تک کا اختلاف تھا اور ان مصاحف میں احادیث قدسی، بعض اہم ادعیہ ماثورہ، اور توضیحی الفاظ وغیرہ بھی کثرت سے موجود تھے اور فتنہ کی بنیاد وجوہ قرارات و اختلاف لغات سے کہیں زیادہ عبارات اور الفاظ کی کمی بیشی تھی، اور اس فتنے کا خاتمہ اس کے بغیر ممکن نہ تھا کہ اس طرح کے مصاحف کو نابود کردیا جائے، اور عہد صدیقی پر مرتب کیے ہوئے متفق علیہ مصحف کی اشاعت کی جائے'۔ ــــــ قرآن ایک معجزہ ہے اور یہ اعجاز اس کی کسی آیت یا سورۃ کا ہی خاصہ نہیں ہے بلکہ قرآن کامل طور پر اپنے مکمل اجزا و سُور سمیت معجزہ ہے۔ اگر آپ کسی عربی عبارت کے بارے میں یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ قرآن کی منسوخ التلاوۃ مع الحکم یا دون الحکم آیتیں ہیں تو اصل عبارت کا مندرجہ ذیل اصولوں پر پورا اترنا ضروری ہے اگر ان قطعی اصولوں پر ایسی منسوخ التلاوۃ عبارت پوری نہیں اترتی تو دو باتوں میں ایک بات یقینی طور پر پیش آئی ہے، یا تو وہ عبارت گھڑی گئی ہوگی یا پھر مذکورہ صورتوں میں سے کوئی نہ کوئی مغالطہ پیش آیا ہے۔ ایسی صورت میں ان کے راویوں کی ثقاہت کی اور عدم ثقاہت کی بحث فضول ہوگی۔

۱۔ پہلی شرط تو یہ ہے کہ وہ عبارت " اپنے ادبی معیار میں بالکل قرآن کے مساوی ہو اور کسی بھی طرح اس کا اسلوب اور ادبی معیار قرآن کے اسالیب سے فروتر نہ ہو، اس لیے کہ قرآن کا تو اعجاز ہی اس بات میں پوشیدہ ہے کہ اُس نے مختلف النوع حقائق کی تعبیر کے لیے مختلف اسالیب اختیار کیے لیکن تمام اسالیب کا ادبی معیار حیرت انگیز طور پر ایک ہے اور کہیں بھی اس میں اختلاف نہیں ہوا ہے۔ ظاہر ہے کہ انسانی کلام میں یہ بات پیدا ہونا ناممکن ہے۔ اور یہ ایک ایسی دلیل ہے جس کو خود قرآن مجید نے اپنی حقانیت کے لیے پیش کیا ہے۔ ارشاد ہے:

افلا یتدبرون القرآنؕ و	ترجمہ: کیا لوگ قرآن پر غور نہیں کرتے
لو کان من عند غیر اللہ لوجدوا	اگر یہ اللہ کے سوا اور کسی کی طرف سے
فیہ اختلافا کثیرا ہ[۱]	ہوتا تو اس میں بہت کچھ اختلاف بیانی
	پائی جاتی۔

اب ظاہر ہے کہ جن عبارتوں کو قرآن کی منسوخ عبارت کہا جا رہا ہے، ان عبارتوں کا ان کمالات سے

آراستہ ہونا اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ غیر منسوخ قرآن کا[۱۲] اس لیے کہ وہ بھی من جانب اللہ قرآن میں شامل تھیں فقط یہ فرق ہوا کہ ان کو ضرورت کے باقی نہ رہنے کی وجہ سے منسوخ کر دیا گیا۔

۲۔ دوسری لازمی شرط یہ ہے کہ جن عبارتوں کو منسوخ کہا جا رہا ہے ان کی بنیاد کیا ہے۔ ضروری ہے کہ شارع کی طرف سے واضح الفاظ میں اس بات کا ثبوت بہم پہونچ جائے کہ فلاں فلاں عبارت منسوخ کردی گئی ہے، اس لیے کہ یہ براہ راست نبی کی ذمہ داری ہے اور جس طرح اس پر وحی الٰہی کی تبلیغ ضروری ہے اتنا ہی یہ بھی ضروری ہے کہ منسوخ وحی کو غیر منسوخ سے پوری شدت کے ساتھ الگ کرائے۔ اب سوال یہ ہے کہ جن عبارتوں کے متعلق منسوخیت کا دعویٰ کیا گیا ہے کیا وہ عبارتیں ان دونوں شرطوں پر پوری اترتی ہیں؟ ظاہر ہے کہ وہ عبارتیں نہ ادبی اعتبار سے قرآن کے ہم پایہ ہیں اور نہ ہی ان کی منسوخیت کا کوئی ثبوت ہے۔[۱۳]

اس مسئلہ میں اب تک ہم نے جن غلطیوں کی نشاندہی کی ہے ان سب سے بڑی ایک ایسی غلطی اکثر اہل علم سے صادر ہوئی ہے جو دراصل ان تمام پیش آمدہ مغالطات کے لیے بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے، وہ یہ کہ اکثر اہل علم قرآن کی تمام خوبیوں اور اعجاز کو تسلیم کرنے کے باوجود اسے ایک ایسی کتاب مانتے ہیں جس کا کوئی "نظم" نہیں ہے گویا وہ 'مجموعہ مکاتیب' کی طرح ہے جن میں کسی ترتیب کا ہونا سرے سے ضروری نہیں ہوتا، گویا اس عظیم الشان کتاب میں احکام، قصص، مواعظ اور مابعد الطبیعی مسائل اور دوسری اہم چیزوں کو یوں ہی کسی ربط و مناسبت کے بغیر جمع کر دیا گیا۔ اب ظاہر ہے کہ جب قرآن میں کسی ترتیب و تنظیم کا تصور ہی نہیں تھا تو اس قسم کے خیالات (جن کا ذکر ابھی منسوخ الحکم مع التلاوۃ اور منسوخ التلاوۃ دون الحکم کے نام سے قریب کے صفحات میں تفصیل سے گذر چکا ہے) کا پیدا ہو جانا کوئی تعجب انگیز چیز نہیں ہے ـــــ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ قرآن مجید مکمل طور پر اتنا مربوط ہے اور اس کی ہر آیت اور سورت سابق و لاحق سے اس حد تک مرتبط ہے کہ اگر ہم اس ربط کی تعبیر "منطقی اور طبیعی ربط" سے کر دیں تو یہ عین حقیقت کی ہی تعبیر ہوگی۔ قرآن اپنے نظم کے اعتبار سے اتنا حساس واقع ہوا ہے کہ اگر اس میں ذرا سا بھی فرق کر دیا جائے تو پورا سلسلۂ کلام درہم برہم ہو کر رہ جاتا ہے۔

قرآن کے نظم کو سمجھنا اگرچہ اتنا آسان نہیں ہے، جتنا کہنا اور لکھنا آسان ہے، لیکن حقیقت میں قرآن مجید کو کماحقہ سمجھ لینا اور اس کی حقیقی مرادات کو پالینا نظم کی عقدہ کشائی کے بغیر سخت مشکل ہے (اس مشکل کے حل میں نیز فہم قرآن کے لیے بعض نہایت اہم اصول کی جانب رہنمائی رئیس المفسرین علامہ حمید الدین الفراہی قدس اللہ سرہ کی قرآنیات سے متعلق تصانیف سے پوری

حاصل کی جاسکتی ہے)

منسوخ التلاوۃ دون الحکم کے نظریہ پر بحث

بھلا اس بات میں کیا معقولیت ہے کہ حکم تو باقی رہے لیکن حکم کی عبارت منسوخ کر دی جائے، سوال یہ ہے کہ حکم کی بنیاد کس چیز پر ہوتی ہے؟ عبارت پر یا کسی اور چیز پر؟ ... عبارت کے علاوہ اگر کوئی چیز ہوتی ہے تو اس کی نشاندہی ضرور ہونی چاہیے، لیکن یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ 'حکم' کا قطب مدار حکم' کی عبارت کے علاوہ کسی اور شے کو سرے سے قرار دیا ہی نہیں جاسکتا، عقل سلیم اس بات کو بداہتہً غلط قرار دیتی ہے، لیکن یہ بھی اس دنیا کے اعاجیب میں سے ہی ہے کہ یہاں غلط سے غلط بات کے ماننے اور تسلیم کرنے والے کثرت سے مل جاتے ہیں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اہلِ علم حضرات کا ایک بڑا طبقہ اس برخود غلط بات کو نہ صرف مانتا ہے بلکہ پورے زور و شور سے اس کی حمایت بھی کرتا ہے اور بعض ظالم تو اس حد تک تجاوز کر جاتے ہیں کہ جو آدمی ان کی اس عجیب و غریب بات کو تسلیم نہیں کرتا اس پر گمراہی تک کے فتوے چسپاں کر دیتے ہیں۔ لیکن ہم یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ اس نظریے کے ثبوت میں جو کچھ پیش کیا گیا ہے اس کی کیا قدر و قیمت ہے؟

قرآن و سنّت سے اس نظریے کے ثبوت میں ہرگز کوئی چیز پیش نہیں کی جاسکتی، وجہ یہ ہے کہ قرآن اور سنّت کی کوئی بات کبھی خلافِ عقل سلیم نہیں ہو سکتی، اس نظریے کے ثبوت میں بعض عبارتیں مشہور ہیں، اُن میں سے زیادہ مشہور ... عبارت الفاظ کا وہ بے ڈھب اور عجیب و غریب مجموعہ ہے جسے اس دعویٰ کے ساتھ پیش کیا گیا ہے کہ رجم کا قانون ان الفاظ سے ثابت ہوتا ہے اور یہ عبارت قرآن مجید کی سورۂ نور یا سورۂ احزاب (علی اختلاف الروایات) میں نازل کی گئی تھی اور رجم کا دار و مدار دراصل اسی عبارت پر ہے، عبارت یہ ہے "الشیخ والشیخۃ اذا زنیا فارجموھا نکالاً من اللہ بعض روایتوں میں البتۃ کا لفظ بھی ملتا ہے، اس عبارت کا اردو ترجمہ یہ ہے "بوڑھا اور بوڑھی اگر زنا کریں تو انھیں سنگسار کر دو" دوسرے الفاظ میں اس کا مطلب یہ ہوا کہ زنا کا صدور اگر جوان مرد و عورت سے ہوگا تو وہ "رجم" نہیں کئے جائیں گے بلکہ انھیں وہ سزا دی جائے گی جو سورۂ نور کی آیت نمبر ۲ میں بیان ہوئی ہے، یعنی مناطِ رجم دراصل زنا ہی نہیں ہے لیکن بڑھاپے میں پہونچ کر زنا کا ارتکاب ہے، یہی جرم اگر جوانی میں صادر ہو جائے تو اس کی سزا فقط مأۃ جلدۃ ہے۔ قابلِ غور مسئلہ یہ ہے کہ امت نے کبھی ایک لمحے کے لیے کسی بھی دور میں کیا اس حکم کی تعمیل کی ہے؟

برخلاف اس کے اجماع امت قرآنی اجمال اور سنّت کی تفسیر و توضیح اور عملی مثالوں سے متواتر طریقے پر اس بات پر منعقد ہوا ہے کہ مناط رجم دراصل زنا مع الاحصان ہے نہ کہ زنا کا بڑھاپے میں ارتکاب ۔
رجم کو ثابت کرنے کے لیے عبارت بھی خوب گڑھی گئی جس سے رجم کی بنیاد ہی منہدم ہوگئی۔ تماشہ یہ ہے کہ اس بر خود غلط عبارت کو جسارت کے ساتھ قرآن کی منسوخ التلاوۃ باقی الحکم آیت بتایا جاتا ہے اور مدرسوں میں بڑے زور شور سے اس پر بحث کی جاتی ہے۔ کیا کوئی اہلِ علم بتائے گا کہ اس "آیت" کو سورۂ نور یا سورۂ احزاب کے کون سے رکوع سے نکالا گیا ہے؟ اور یہ کہاں سے ثابت ہوا کہ یہ عبارت قرآن کی منسوخ التلاوۃ "آیت" ہے، ظاہر ہے کہ کسی آیت کو نازل کرنا یا نازل شدہ کو منسوخ کرنا براہ راست اللہ تعالیٰ کا ہی کام ہے جس میں نبی کی کسی خواہش کا بھی ادنیٰ دخل نہیں ہوسکتا۔ سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وہ اعلان کہاں ہے جس کے ذریعہ اس نے اپنے قطعی حکم "قانون رجم" کے مذکورہ الفاظ کو واپس لیا ہو اور کیا عجمیوں کی گڑھی ہوئی اس بے معنی عبارت میں قرآن کے عدیم النظیر ادبی اسلوب اور اعجاز کی کچھ بھی خوشبو محسوس ہوتی ہے؟ کیا معاذ اللہ اللہ تعالیٰ کو اپنی بات اور قانون رجم بندوں تک پہونچانے کے لیے صحیح الفاظ بھی دستیاب نہ ہوئے؟ حقیقت یہ ہے کہ کچھ ملحدوں نے عیاشوں اور زانیوں پر رحم کھا کر یہ عبارت گڑھ دی اور اس طرح اس کا صور پھونکا کہ ہمارے مخلص ارباب تحقیق بھی اس کا شکار ہوگئے۔ روایت پرستی کے فتنے کی ہی یہ کرامت ہے ورنہ جو لوگ اس بے تکی عبارت کو قرآن مانتے ہیں اور زور شور سے اس کی حمایت فرماتے ہیں رجم کے لیے فتویٰ وہ بھی زانی محصن ہونے کی شرط پر ہی دیتے ہیں۔ اگر کوئی بوڑھا یا بوڑھی اس فعل کا ارتکاب کرے اور وہ محصن نہیں ہے تو اس کے لیے سزائے تازیانہ ہی بتاتے ہیں لیکن اس "آیت" کو بھی باقی مانتے ہیں۔ اس خطرناک غلطی کا ارتکاب وہ "محققین" بھی کرتے رہے ہیں اور کر رہے ہیں جو بڑے فخر و ناز کے ساتھ 'خطا فی الکفر' سے محفوظ رکھنے والے علم (منطق) کو رات دن تعلیم گاہوں میں قرآن و سنّت سے بھی زیادہ توجہ کے ساتھ پڑھتے پڑھاتے ہیں اور اس میدان میں کسی کو اپنا ہمسر نہیں سمجھتے ــــــ
غالباً یہ غلط فہمی صحیحین میں وارد ایک صحیح روایت سے لاحق ہوئی ہے، روایت میں بعض الفاظ ایسے ہیں جن کا قطعی غلط مطلب لے لیا گیا ہے۔ وہ روایت یہ ہے :

عن عمر بن الخطاب	عمر بن الخطاب سے روایت ہے کہ
رضی اللہ تعالیٰ عنہُ أنّہُ خطب	انھوں نے ایک مرتبہ خطبہ میں ارشاد
فقال ان اللہ بعث محمداً	فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

بالحق وانزل علیه الکتاب، فکان فیما انزل اللہ علیه آیة الرجم، قراناها، ووعیناها، وعقلناها، فرجم رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم، ورجمنا بعدہ، فاخشی اَن طال بالناس زمان ان یقول قائل، مانجد الرجم فی کتاب اللہ، فیضلوا بترک فریضة انزلها اللہ، وان الرجم حق فی کتاب اللہ علی من زنی، اذا احصن، من الرجال والنساء اذا قامت البینة اوکان الحبل، او الاعتراف۔ متفق علیه	کو حق کے ساتھ نبی بنا کر بھیجا اور آپ پر الکتاب نازل فرمائی پس اس کتاب میں نازل شدہ احکام و قوانین میں قانون رجم بھی ہے (یعنی رجم کا حکم) ہم نے اسے پڑھا اور سمجھا اور محفوظ رکھا ہے چنانچہ (اسی بنیاد پر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کے حکم پر عمل فرمایا اور آپ کے بعد ہم بھی اس پر عامل رہے ہیں، مجھے یہ خطرہ ہے کہ کچھ عرصہ بعد کوئی (منکر رجم) یہ کہنے لگے کہ اللہ کی کتاب میں ہمیں رجم کا کوئی ذکر نہیں ملتا، اور اس طرح رجم کا انکار کرنے والے ایک من جانب اللہ نازل شدہ فریضے کو ترک کر کے گمراہ ہوجائیں (اور یاد رکھو کہ) رجم کا ضابطہ اللہ کی کتاب میں حق اور ثابت ہے لیسے زانی اور زانیہ کے لیے جو احصان کی صفت سے موصوف ہو اور جب اس فعل پر یا تو حجت شرعی قائم ہوجائے یا حمل ہو، یا مجرم اعتراف کرلے۔"

دراصل غلط فہمی جن الفاظ سے ہوئی وہ فکان فیما انزل اللہ علیه آیة الرجم کا ٹکڑا ہے، چنانچہ ہمارے علمی حلقوں میں عام طور پر اس جملہ کا ترجمہ اس طرح کیا جاتا ہے کہ "آپ پر اللہ نے جو چیز (یعنی قرآن) نازل فرمائی اس میں آیت رجم بھی تھی" یعنی کان کا ترجمہ تھی، فعل ماضی سے کرتے ہیں اور آیت سے مراد معروف قرآنی فقرہ سمجھ لیا گیا ہے، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ کانَ جس طرح ماضی کے لیے آتا ہے ٹھیک اسی طرح کانَ کا استعمال حال کے لیے بھی ہوتا ہے اور آیت سے مراد جس طرح قرآن مجید کے فصیل زدہ فقرے لئے جاتے ہیں بعینہ اسی طرح حکم الہٰی شرعی بھی مراد لیا

جاسکتا ہے عام اس سے کہ وہ قرآن میں ہے یا حدیث وسُنت میں، واضح رہے کہ قرآن مجید کےبین الدفتین میں آج بھی رجم کا قطعی حکم موجود ہے اور سُنت نبوی سے اُس کی جزئیات ہم تک قابل اعتماد ذرائع سے پہونچی ہیں اور یہی مطلب دراصل فیما انزل اللہ کا ہے، لیکن بدقسمتی سے قلت تدبر کی بنا پر لوگ عام طور پر اس میں مغالطہ کا شکار ہوگئے۔ اور لطف یہ ہے کہ اس روایت میں کسی قسم کا ادنیٰ اشارہ بھی اس نظریہ کے ثبوت کے لیے نہیں ہے اور نہ ہی اس میں الشیخ والشیخۃ الخ وغیرہ عبارات کا ہی کوئی ذکر ہے، لیکن حیرت اس بات پر ہے کہ مذکورہ نظریے اور عبارت کے لیے کسی قسم کی علمی بنیاد نہ ہوتے ہوئے بھی نہ صرف یہ کہ عام علمی حلقوں میں اسے تسلیم کر لیا گیا ہے، بلکہ ایک ایسے علمی مسلمہ کی شکل دیدی گئی ہے جس کا ماننا نہ صرف واجب اور مخالفت حرام بلکہ قریب بہ کفر ہے،

اگرچہ مذکورہ روایت سند کے لحاظ سے بھی انتہائی ضعیف درجہ میں ہے، لیکن یہ اصول اپنی جگہ مسلم ہے کہ روایت کے متن اور عبارت میں کوئی علت قادحہ ایسی موجود ہو کہ تاویل کے صحیح اصول کے تحت کسی طرح بات صحیح نہ بیٹھ سکے تو اس روایت کو کسی رعایت کے بغیر رد کر دیا جائے گا، اور اس عبارت (الشیخ والشیخۃ الخ) میں تو اتنی قادح علتیں موجود ہیں جو روایت درایت عقل و نقل کے تمام اصولوں کے بھی خلاف جارہی ہیں نیز بعض دلائل روایات کے ذخیرے میں اس قسم کے موجود ہیں جن سے اس عبارت کی عدم قرآنیت الم نشرح ہو جاتی ہے۔ مثلاً یہ کہ جمع قرآن کے موقع پر حضرت زید بن ثابتؓ نے قرآن کا کوئی حصہ دو گواہوں کی گواہی کے بغیر قبول نہیں کیا، چنانچہ حضرت عمرؓ زید بن ثابت کے پاس آیت رجم لے کر آئے تو انھوں نے محض اس بنیاد پر اسے رد کر دیا کہ وہ تنہا تھے جبکہ ضرورت دو گواہوں کی تھی۔ اب اگر یہ قرآن کی ہی کوئی آیت تھی تو آخر اُسے کوئی اور لے کر کیوں نہیں آیا جبکہ قرآن کا ایک ایک حرف متواتر ہے اور بہرحال اگر یہ آیت قرآنی تھی تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ آیت قرآن میں چونکہ موجود نہیں ہے لہذا قرآن میں تحریف کے وقوع کا ثبوت ہوگیا، جبکہ یہ بداہتہً اس لیے باطل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے وعدہ حفاظت سے متصادم ہے، اور اگر یہ ایسی آیت تھی جس کی تلاوت منسوخ ہوگئی تھی تو اس کے ثبوت سے قطع نظر کرتے ہوئے قابل غور امر یہ ہے کیا حضرت عمرؓ کو اتنا بھی علم نہ تھا کہ یہ آیت منسوخ التلاوۃ ہو چکی ہے؟ نیز بعض روایات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ کے رسول نے اصرار کے باوجود اس آیت کو قرآن میں لکھنے کی اجازت نہیں دی جس کا واضح مطلب اس کی عدم قرآنیت ہے۔ اب ان تمام دلائل و شواہد کے باوجود ان لوگوں کی قصور فہم کی داد دیجئے جو اس گڑھی ہوئی عبارت کو قرآن کی منسوخ عبارت بتاتے ہیں۔

بحث کے آخر میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ 'حدیث رضعات' پر بھی کچھ گفتگو کی جائے، اس لیے کہ علمی حلقوں میں اسے بھی قرآن کی منسوخ التلاوۃ، عبارت کہا اور سمجھا جاتا ہے روایت اس طرح ہے:

عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، قالت فیما کان انزل من القرآن عشر رضعات معلومات ای متحققات ثابتات، وھذہ الصفۃ ان الرضاعۃ اذا کانت تحصل الشکوک لا تفید التحریم) یحرمن ثم نسخن بخمس رضعات معلومات، فتوفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھی فیما یقرأ من القرآن (مسلم)	(یعنی حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ قرآن مجید میں 'عشر رضعات' نازل ہوئے تھے (جن کے تحقق کے بعد حرمت رضاعت کا ثبوت ہوجاتا تھا) پھر ان دس رضعات کو پانچ سے بدل دیا گیا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی لیکن وہ برابر قرآن میں موجود تھے۔

واضح رہے کہ رضعۃ کی حقیقت اس طرح بیان ہوئی ہے:

و اما حقیقۃ الرضعۃ فمتی التقم الصبی الثدی وامتص منہ ثم ترک ذالک باختیارہ من غیر عارض کان ذالک رضعۃ، والقطع لعارض کنفس او استراحت یسیرۃ او لشیئ یلھیہ ثم یعود من قریب لا یخرجھا عن کونھا رضعۃ واحدۃ، وھذا مذھب الشافعیؒ فی تحقیق الرضعۃ الواحدۃ وھو الموافق للغۃ	ترجمہ: رضاعت کی حقیقت یہ ہے کہ جب بچہ پستان کو منہ لگائے اور اس سے چوسے پھر اپنی مرضی سے بغیر کسی دباؤ کے اسے چھوڑ دے تو یہ رضاعت ہے کسی عارضی سبب سے رضاعت منقطع کرنا مثلاً سانس لینا، تھوڑی دیر آرام کرنا اور کسی کام میں لگ جانا پھر جلد ہی لوٹ آنا تو بھی رضاعت ثابت ہو جائے گی۔ رضاعت واحدہ کے ثبوت میں یہ امام شافعی کا مسلک ہے اور یہی لغت کے مطابق بھی ہے۔

اس روایت میں قابلِ غور بات یہ ہے کہ وہ قرآنی الفاظ کہاں ہیں جو عشر رضعات اور خمس رضعات پر مشتمل تھے؟ ظاہر ہے کہ اس روایت میں تو جناب عائشہ صدیقہؓ نے ناسخ و منسوخ کے اس واقعہ کی اپنے الفاظ میں حکایت کی ہے، لیکن اس عبارت کا علم کہاں سے حاصل ہوگا؟ دوسری بات، یہ بھی قابل غور

ہے کہ اس روایت میں، ایک ایسی علت قادحہ موجود ہے جس کو اگر تسلیم کرلیا جائے تو وعدہ الٰہی کی تکذیب لازم ہو جائے گی اس لیے کہ اللہ کا یہ حتمی وعدہ ہے کہ قرآن کامل طور پر محفوظ رہے گا، درانحالیکہ اس روایت سے یہ بات صاف طور پر ظاہر ہو رہی ہے کہ قرآن مجید میں (کم ازکم اس عبارت کی حد تک) تحریف واقع ہوئی ہے، اس لیے کہ نبی کریمؐ کو یہ حکم من جانب اللہ خود قرآن میں دیا گیا ہے کہ

بلغ ما أنزل اليك من ربك	جو کچھ آپ کے رب کی طرف سے آپ پر اُترا ہے
(المائدہ - ٦٧:٥)	اسے پہنچا دیجئے۔

اور جس طرح نبی کی ذمہ داری ہے کہ وہ نازل شدہ قرآن کو لوگوں تک پہونچائے، یقیناً اتنی ہی ذمہ داری منسوخ چیزوں کو واضح کرنے اور منسوخ عبارات کا اعلان کرنے کی بھی ہے، ورنہ 'خلط در قرآن' کی ذمہ داری میں سب سے زیادہ حصہ براہ راست نبیؐ کا ہی ہوگا، اور ظاہر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا اعلان نہیں فرمایا، اعلان اگر فرماتے تو لوگ قرآن میں غیر قرآن کی تلاوت نہ کرتے، روایت کی اس علت کی طرف بعض محدثین نے توجہ ضرور کی ہے، مثلاً امام نوویؒ شارح مسلم شریف نے حدیث کی مذکورہ بالا کمزوری کا دفاع ان الفاظ میں کیا ہے:

معناه ان النسخ بخمس رضعات تاخر انزاله جدا حتى انه ﷺ توفى وبعض الناس يقرأ خمس رضعات ويجعلها قرآنا متلوا، لكونه لم يبلغه النسخ لقرب عهده، فلما بلغهم النسخ بعد ذلك رجعوا عن ذلك و اجمعوا على ان هذا لا يتلى	ترجمہ: اس کا مطلب یہ ہے کہ پانچ رضعات کی منسوخی کا نزول بہت تاخیر سے ہوا یہاں تک کہ آپ کی وفات ہوگئی اور بعض لوگ خمس رضعات کی ہی تلاوت کرتے تھے اور اس کو متلو قرآن کہتے تھے کیوں کہ قریب کا زمانہ ہونے کی وجہ سے ان تک منسوخی کا حکم نہیں پہنچا تھا۔ اس کے بعد جب ان کو اس کی منسوخی کا حکم ہوا تو انھوں نے اس سے رجوع کر لیا اور اس پر اجماع ہوگیا کہ یہ غیر متلو ہے۔

اور پھر اپنی روایتی غلط فہمیوں کو (یعنی منسوخ آیتوں کی سہ گانہ تقسیم) کو بطور ایک علمی مسلمہ کے استدلال میں پیش کر دیا ہے، فرض کر لیجئے دس رضعات کو پانچ رضعات سے منسوخ کر دیا گیا لیکن وہ خمس رضعات کے الفاظ کس جگہ موجود ہیں؟ کیا وہ پانچ بھی منسوخ ہوگئے تھے؟ اگر منسوخ ہوئے تو دلیل کیا ہے؟ اور اگر منسوخ نہیں ہوئے تو قرآن کو محرف ماننا پڑے گا، نعوذ باللہ۔ ان اسباب کی بنا پر یہ بات

واضح ہوگئی ہے کہ اس روایت کے راویوں کو غلط فہمیوں سے محفوظ نہیں سمجھا جا سکتا لیکن اصل بات یہ ہے کہ عشر رضعات اور خمس رضعات کی قرآنیت کا دعویٰ ہی باطل ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ جس طرح آپؐ پر قرآن نازل ہوا ہے اسی طرح بذریعہ وحی آپ کو بہت سے احکام دیئے گئے تھے جن کا آپؐ کے اجتہاد سے کوئی تعلق نہیں تھا، ایسے ہی احکام میں سے عشر رضعات اور خمس رضعات بھی تھے (بلکہ اسی معنی میں متعدد صحیح حدیثیں بھی موجود ہیں) راوی نے غلط فہمی سے اس بات کو فیما انزل من القرآن سے تعبیر کر دیا ہے۔ اس بات کی مزید وضاحت اس طرح کی جا سکتی ہے کہ قرآن نے حرمت رضاعت کے سلسلے میں ایک جامع اصل ان الفاظ میں قائم کی ہے:

'وامہاتکم اللتی ارضعنکم' تمہاری وہ مائیں (تم پر حرام ہیں) جنھوں نے تم کو دودھ پلایا ہو۔

لیکن کوئی عورت کتنی مرتبہ دودھ پلانے سے رضاعی ماں بن سکتی ہے؟ یہ خود ایک سوال تھا، دراصل اسی اجمال کو خمس رضعات اور متعدد حدیثوں سے کھول دیا گیا ہے، مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی بچہ یوں ہی اتفاقیہ طور پر کسی عورت کا ایک آدھ گھونٹ دودھ پی جائے تو اس سے وہ عورت اس بچہ کی رضاعی ماں نہیں بن جائے گی اور اس عورت پر رضاعت کے احکام جاری نہیں کئے جائیں گے، اکثر فقہی مکاتب فکر آج بھی اسی پر قائم ہیں اور یہی مسلک اقرب الی الصواب ہے، واللہ اعلم۔

ہماری تحقیق کے مطابق قرآن مجید میں تین آیتیں نسخ کے حقیقی معنی کے لحاظ سے منسوخ ہیں اور انھیں کسی بھی صحیح تاویل کی رو سے غیر منسوخ نہیں کہا جا سکتا۔ ایک آیت سورۂ بقرہ میں ان الفاظ میں ہے،

کتب علیکم اذا حضر احدکم	ترجمہ: تم پر فرض کیا گیا ہے کہ جب تم میں
الموت ان ترک خیرا ن	سے کسی کی موت کا وقت آئے اور وہ
الوصیۃ للوالدین والاقربین	اپنے پیچھے مال چھوڑ رہا ہو تو والدین اور
بالمعروف ط	رشتہ داروں کے لیے معروف طریقہ سے وصیت کرے۔

اس آیت کو آیت میراث نے منسوخ کیا ہے، مختصر تفصیل یہ ہے کہ 'بقرہ' کی اس آیت میں مسلمانوں پر (عارضی طور پر) یہ فرض کیا گیا تھا کہ اگر کسی شخص کو موت کے آثار ظاہر ہونے شروع ہو جائیں تو وہ (اگر مال چھوڑ رہا ہے) اپنے مال متروکہ کی وصیت اپنے والدین اور خصوصی اقارب کے لیے اُن کے حصوں کی تعیین کے ساتھ کر جائے، تاکہ بعد میں وراثت کی تقسیم میں کسی نزاع کی نوبت نہ آئے،

آیت وصیت ہجرت کے ابتدائی دور میں نازل ہوئی ہے اور اس وقت بعض وجوہ سے یہ مناسب نہ تھا کہ وہ جامع اور مفصل قانون (جو سورۂ نساء میں نازل ہوا ہے) دفعتہً ان پر نافذ کر دیا جائے کیونکہ معاشرہ ابھی اس کا تحمل نہ کر سکتا تھا، نیز آیت وصیت سے دو فائدے متوقع تھے، ایک اس میں وقتی مشکل کا مناسب حل موجود تھا، دوسرے ان پر یہ بات بھی ظاہر کرنی مقصود تھی کہ متروکہ مال کی تقسیم وارث اور مرنے والے کی خواہش کے مطابق نہیں، بلکہ میت سے درجاتی قرب کے اعتبار سے ہونی چاہیئے، جو جتنا زیادہ میت سے قریب ہوگا اتنا ہی میراث کا زیادہ حقدار ہوگا۔

اصول یہ ہے کہ کسی حکم کو منسوخ اس وقت کہا جائے گا جب منسوخ اور ناسخ میں جمع ناممکن ہو جائے، جمع ہو جانے کی صورت میں کسی حکم کی منسوخیت کا سوال خارج از بحث ہے۔ آیت وصیت اس لیے منسوخ ہے کہ سورۂ نساء میں مذکور قانون وراثت کی دفعات صریحًا اس سے متصادم ہو رہی ہیں، آیت وصیت میں جن لوگوں کے متعلق وصیت کا حکم دیا گیا تھا ٹھیک اُن ہی کے حصص سورۂ نساء میں نازل شدہ قانون وراثت میں بیان کئے گئے ہیں اب اگر ان کے لیے وصیت کو بھی جائز رکھا جائے تو سہام کی تعیین قطعًا بے معنی ہو جائے گی، یہی وجہ ہے کہ حدیث نبویؐ میں وارثوں کے لیے وصیت کو ناجائز قرار دیا گیا ہے۔ واضح رہے کہ آیت وصیت کے تعلق سے دو غلط فہمیاں عام طور پر اہل علم میں پائی جاتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ آیت وصیت باقی ہے یعنی منسوخ نہیں ہوئی ہے، البتہ سُنت سے اس کی تخصیص ایک ثلث کی مقدار تک کر دی گئی ہے۔ اس غلط فہمی کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں جس وصیت کی ایک ثلث تک میں تحدید کی گئی ہے اس وصیت کا آیت وصیت میں مذکور وصیت سے کوئی تعلق نہیں ہے اس لیے کہ محدّدہ وصیت کا من حیثیت الوصیت تو جاہلیت میں بھی رواج تھا، لیکن وہ لوگ اپنی وصیت میں مختلف الانواع کی بے اعتدالیاں کرتے تھے اور ان کی اس غیر معتدل وصیت کی وجہ سے اکثر وہ وارث محروم ہو جاتے تھے جو میراث کے زیادہ حقدار ہوتے تھے، لہٰذا حدیث وسنت میں دراصل اسی وصیت کو ایک ثلث مال کی مقدار تک مقید کر دیا گیا ہے، جبکہ آیت مذکورہ میں وصیت کا ضابطہ بالکل ہنگامی حالات میں فرض کیا گیا تھا (نہ کہ صرف جائز، جبکہ ایک ثلث والی وصیت محض جائز تھی نہ کہ فرض)

دوسری غلط فہمی یہ ہے کہ آیت وصیت کو حدیث لا وصیة لوارث سے منسوخ مانتے ہیں جبکہ یہ بات بداہتہً غلط ہے، اس بحث سے قطع نظر کہ حدیث قرآن کو منسوخ بھی کر سکتی ہے یا نہیں، یہ بات بالکل صاف ہے کہ آیت وصیت کا نزول ہجرت کے ابتدائی دور میں ہوا ہے اور میراث کا مفصل قانون ۳ھ کے اواخر یا ۴ھ کے اوائل میں نازل ہوا ہے، بدیہی بات ہے کہ قانون میراث کے نزول

کے بعد یقینی طور پر آیت وصیت پر عمل درآمد موقوف ہوگیا تھا اور میراث کی تقسیم اسی قانون وراثت کے موافق ہونے لگی تھی، درانحالیکہ مذکورہ حدیث سنلہ ھ میں لسان نبوت سے صادر ہوئی ہے، لہٰذا یقینی طور پر یہ بات طے ہوگئی کہ آیت وصیت کو قانون وراثت نے ہی منسوخ کیا ہے، نہ کہ اس حدیث نے، البتہ اس حدیث کو بیان نسخ اگر کہا جائے تو کوئی حرج نہیں۔

باقی دو آیتیں جو منسوخ ہیں وہ سورۂ نسار کی علی الترتیب آیت نمبر پندرہ اور سولہ ہیں، آیتوں کی عبارت اس طرح ہے:

وَ اللّٰتِی یاتین الفاحشۃ من نسائکم فاستشھدوا علیھن اربعۃً منکم، فان شھدوا فامسکوھن فی البیوت حتی یتوفاھن الموت اویجعل اللہ لھن سبیلا ہ والذان یاتیانھا منکم فآذوھما، فان تابا و اصلحا فاعرضوا عنھما ان اللہ کان توابا رحیما ہ	ترجمہ: تمہاری عورتوں میں سے جو بدکاری کی مرتکب ہوں ان پر اپنے میں سے چار آدمیوں کی گواہی لو اور اگر چار آدمی گواہی دے دیں تو ان کو گھروں میں بند رکھو یہاں تک کہ انھیں موت آجائے یا اللہ ان کے لیے کوئی راستہ نکال دے۔ اور تم میں سے جو اس فعل کا ارتکاب کریں ان دونوں کو تکلیف دو، پھر اگر وہ توبہ کریں اور اپنی اصلاح کرلیں تو انھیں چھوڑدو کہ اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

ان دونوں آیتوں کو سورۂ نور کی اس آیت نے منسوخ کر دیا ہے:

الزانیۃ والزانی فاجلدوا کل واحد منھما مائۃ جلدۃ ولا تاخذکم بھما رأفۃ فی دین اللہ ان کنتم تومنون باللہ و الیوم الآخر ولیشھد عذابھما طائفۃ من المومنین۔ (النور-۲)	زانیہ عورت اور زانی مرد، دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو اور ان پر ترس کھانے کا جذبہ اللہ کے دین کے معاملے میں تم کو دامن گیر نہ ہو اگر تم اللہ تعالیٰ اور روز آخر پر ایمان رکھتے ہو اور ان کو سزا دیتے وقت اہل ایمان کا ایک گروہ موجود ہے

سورۂ نسار کی مذکورہ دونوں آیتیں دراصل وہ سزا بیان کرتی ہیں جو قرآن نے اولاً اسلامی معاشرہ

کے کامل استحکام سے قبل اس جُرم عظیم کی روک تھام کے لیے رکھی تھیں۔ پہلی آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ:۔ "تمہاری عورتوں میں سے جن پر (فاحشہ) یعنی زنا کا جرم چار گواہوں کی گواہی سے ثابت ہو جائے تو ان عورتوں کو تاصدور حکم ثانی قید کر دو یا ان کو اسی حالت میں موت آجائے" دوسری آیت کا حاصل یہ ہے کہ اگر زنا کے دونوں ارکان تم ہی میں سے ہوں (یعنی مسلمان ہوں) تو انھیں ایذا پہنچاؤ، اور اگر وہ اپنے جُرم سے باز آجائیں تو اُنھیں چھوڑ دو اور اُن سے اعراض کرلو" یہ بات قابلِ غور ہے کہ پہلی آیت فقط زنا کے ایک رُکن (عورت) کی تادیب سے بحث کرتی ہے، جبکہ دوسری آیت دونوں رکنوں سے بحث کرتی ہے، چنانچہ اسی ظاہری فرق کی بنیاد پر ان دونوں آیتوں کی تفسیر میں مفسرین میں اختلاف ہو گیا ہے، اس اختلاف کی تفصیل تو اس موضوع سے خارج ہے، لیکن ان حضرات کا قول صحیح معلوم ہوتا ہے، جنھوں نے پہلی آیت کو زنا کی اس صورت کے ساتھ خاص کیا ہے جبکہ اس فعل کے دو رکنوں میں سے ایک (عورت) مسلمان ہو اور اسلامی معاشرہ کے دباؤ میں ہو۔ اور دوسرا فریق غیر مسلم ہونے کی بنا پر اسلامی معاشرہ کے دباؤ سے آزاد ہو، اور چونکہ ابھی حالات بھی ایسے نہ تھے کہ اسلامی قانون کی گرفت غیر مسلموں تک دراز کر دی جاتی اس لیے اسلامی معاشرہ کو مزید گندگی سے محفوظ رکھنے کے لیے مسلمان زانیہ عورتوں کے متعلق حبس فی البیوت کا حکم دیا گیا، اور اس طرح اُن کے آشناؤں سے ملنے کا راستہ بند کر دیا گیا، دوسری آیت زنا کی اس صورتِ حال سے متعلق سزا بیان کر رہی ہے جب زنا کے دونوں رکن اور فریق مسلمان ہوں، چونکہ اُنھیں اسلامی معاشرہ کے دباؤ میں ہونے کی بنا پر توبہ کر لینے اور اپنا رویہ درست کر لینے کے مواقع حاصل تھے اس لیے اُن کے لیے حبس فی البیوت کے بجائے ایذا (تذلیل، تحقیر، مار پیٹ، ڈانٹ ڈپٹ، فہمائش اور مناسب تادیب وغیرہ) کا حکم دیا گیا، لیکن اگر اپنے اس عمل سے توبہ کرلیں اور اپنا رویہ درست کرلیں تو ان سے درگذر کر لیا جائے۔

ان دونوں آیتوں کا حکم سراسر عارضی نوعیت کا تھا، اس لیے سورۂ نور میں زنا کے متعلق شرعی حد نازل ہو جانے سے یہ دونوں حکم اس لیے منسوخ ہو گئے کہ سورۂ نور میں مذکور حکم کے ساتھ ان کا جمع کرنا ناممکن ہو گیا۔ ہمارے نزدیک قرآن مجید میں فقط یہ ہی تین آیتیں منسوخ ہیں۔

اس پورے مضمون اور مقالہ کا خلاصہ یہ ہے کہ سورۂ بقرہ کی آیت:

ما ننسخ من آیت او ننسها	ترجمہ: ہم اپنی جس آیت کو منسوخ کر دیتے
نات بخیر منها او مثلها	ہیں یا بُھلا دیتے ہیں اس کی جگہ اس سے بہتر
	لاتے ہیں یا کم از کم ویسے ہی۔

میں اللہ تعالیٰ نے اپنے کسی حکم کو واپس لینے کے دو طریقے ذکر کیے ہیں، ایک کا نام نسخ ہے جبکہ دوسرے کو انسا کا نام دیا گیا ہے، نسخ کے حقیقی معنی ہیں مٹانا، ہٹانا ختم کرنا وغیرہ، یہ ختم اور ازالہ ایسے طریقے پر ہوتا ہے کہ حکم کی عبارت برقرار رہتی ہے، لیکن حکم کو کسی دوسری آیت سے ختم کر دیا جاتا ہے، لیکن یاد رہے کہ ناسخ و منسوخ کی بحث اسی وقت پیدا ہو سکتی ہے جب کہ دو حکموں میں اس طرح کا تعارض پایا جائے کہ تطبیق و توفیق کی تمام صورتیں ناکام ہو جائیں ـــــــ انساء کے معنی ہیں نظر انداز کرنا، بھلانا، اور یہاں مراد ہے، اللہ تعالیٰ کا اپنے کسی حکم یا احکام کو عبارت سمیت اٹھا لینا، قرآن مجید میں تین آیتیں تو ضرور منسوخ ہوئی ہیں اور ان کی عبارت برقرار ہے لیکن قرآن مجید میں انسار کے وقوع پر کوئی قطعی دلیل قائم نہیں کی جا سکتی ہے، اس لیے حق یہ ہے کہ قرآن میں انسار کا وقوع نہیں ہوا ہے، جو چیزیں دلیل کے طور پر پیش کی جاتی ہیں وہ دلیل نہیں بلکہ مغالطے ہیں، اور ظاہر ہے کہ مغالطات سے حقائق ثابت نہیں کیے جا سکتے، البتہ سابقہ کتابوں میں ضرور نسخ و انسار دونوں کا وقوع ہوا ہے ـــ علمار کرام نے بالعموم منسوخات کی سہ گانہ تقسیم فرمائی ہے (۱) منسوخ التلاوۃ مع الحکم (۲) منسوخ التلاوۃ دون الحکم (۳) منسوخ الحکم دون التلاوۃ، ان تینوں قسموں میں سے آخری قسم قرآن مجید میں فی الواقع موجود ہے، باقی دونوں قسموں کا قطعاً کوئی وجود نہیں ہے اور محض مغالطات کی دین ہیں۔ منسوخ التلاوۃ مع الحکم کے سلسلے میں جو چیزیں بطور ثبوت کے پیش کی گئی ہیں انھیں بعض حضرات نے اپنی کم علمی کی بنا پر قرآن سمجھ رکھا تھا، جبکہ وہ چیزیں قرآن نہ تھیں بلکہ بعض صحابہ کرام کے ذاتی نسخوں میں بعض تفسیری الفاظ، بعض اہم دعائیں، اور بعض احادیث قدسی وغیرہ موجود تھیں، صحابہ کرامؓ چوں کہ اس سلسلے میں غلطی کا شکار نہ ہو سکتے تھے اس لیے وہ تو قرآنی مخطوطات میں اس قسم کی چیزیں یادداشت کے طور پر نوٹ کر لیتے تھے، لیکن بعض نو مسلم حضرات اس معاملہ میں غلط فہمی کا شکار ہو گئے اور اُمت میں فتنہ پیدا ہونا شروع ہو گیا۔ بالآخر حضرت عثمانؓ ذوالنورین نے ایسے تمام مصاحف کو (جن کے اندر قرآن کے ساتھ غیر قرآن نیز غلط قراءات شامل تھیں) نذر آتش کر دیا اور یہ فتنہ ختم ہو گیا اور قرآن کے اصل نسخہ کی اشاعت بڑے پیمانہ پر کرائی گئی ـــــــ اس قسم کی چیزیں بعض لوگوں کی زبانی بعد کے لوگوں تک بھی پہونچ گئیں، انھوں نے انھیں قرآن میں موجود نہ پایا تو نئے نئے نظریے تصنیف کر لیے گئے۔ قرآن ایک محفوظ کتاب ہی نہیں بلکہ اعلیٰ ترتیب سے بھی آراستہ ہے اس لیے اس کے اندر سے نہ کسی چیز کو نکالا جا سکتا ہے اور نہ داخل کیا جا سکتا ہے۔

منسوخ التلاوۃ باقی الحکم کے ثبوت میں اَلشیخُ و الشیخۃ الخ اور حدیث رضاعت کو پیش کیا

کیا جاتا ہے، جبکہ ان عبارتوں کو قرآن ثابت کرنے کے لیے کسی بھی قسم کی دلیل موجود نہیں ہے، اور قانون رجم کا ماخذ یہ واہیات عبارت نہیں بلکہ آیت محاربہ (المائدہ۔۳۳) ہے۔

حدیث رضاعت کے بعض الفاظ سے اس کی قرآنیت کا وہم ہوگیا ہے، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ عشر رضعات اور خمس رضعات اگرچہ منزل من اللہ تھے لیکن یہ بات اپنی جگہ ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کی طرف سے قرآن کے علاوہ بھی بہت سے احکام دیئے گئے ہیں۔

مآخذ و حواشی

۱ مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی قدس اللہ سرہٗ تفہیم القرآن البقرہ حاشیہ ۱۰۹ طبع مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی

۲ السیوطی جلال الدین الاتقان فی علوم القرآن ج ۲ ص ۲۶ طبع عشر کمپنی مصطفیٰ البابی ۱۳۷۰ھ

۳ ممکن ہے بعض اہل علم بعض آیتوں مثلاً سنقرئك فلا تنسىٰ الا ماشاء الله وغیرہ سے قرآن مجید میں انسار کے وقوع پر استدلال کرنے لگیں، تو اس وہم کا جواب ہماری طرف سے یہ ہے کہ اس آیت پر تدبر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں دراصل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطمینان دلانا مقصود ہے کہ یہ قرآن مکمل طریقے پر آپ کے حافظے کی گرفت میں رہے گا اور وہ خطرہ جو آپ کو لاحق ہے ۔۔ کہ آپ بھول جانے کے خدشہ سے ڈرتے ہوئے نزول وحی کے وقت ہمارے وحی کو رٹتے تھے جیسا کہ سورۂ قیامۃ اور سورۂ طٰہٰ وغیرہ میں مذکور ہے۔ وہ ہرگز کبھی پیش نہ آسکے گا آپ مطمئن رہیں، رہا آیت میں مذکور استثنار کا معاملہ تو اس کا مطلب فقط اس قدر ہے کہ بتقضائے بشریت اگر آپ کو کبھی قرآن کی کسی آیت یا لفظ کے سلسلے میں کوئی بھول لاحق ہو جائے تو بالکل بشری نوعیت کی ہوگی، مطلب یہ ہوا کہ آپ کو نزول وحی کے وقت ہی مکمل وحی دائمی طور پر محفوظ کرادی جائے گی، لیکن جس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ حافظ قرآن مکمل حافظ ہوتے ہوئے بعض اوقات بعض وجوہ سے ان آیات میں بھی بھول کا شکار ہو جاتا ہے جو اُسے بالفعل بھی یاد ہوتی ہیں، اور یہ کام مشیت الٰہی کے تحت ہی وقوع میں آتا ہے اس طرح کی اگر آپ کو بھی کوئی بھول لگ جائے تو وہ الگ چیز ہے اور اس کا وعدہ سے کوئی تعلق نہیں اس قسم کے بعض واقعات حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں۔

خلاصہ یہ نکلا کہ آیت سنقرئك فلا تنسىٰ الا ماشاء اللہ سے جس نسیان کے وقوع کا امکان ظاہر ہوتا ہے اُس کا اس انسار سے کوئی تعلق نہیں جس کا ذکر قرآن نے سورۂ بقرہ کی آیت ۱۰۶ میں

کیا ہے اس لیے کہ ننسہا کا فاعل براہ راست اللہ تعالیٰ ہے جس کا مفعول وحی الٰہی ہے اور الاعلیٰ میں مذکور جس نسیان کا امکان ظاہر کیا گیا ہے وہ بالکل بشری نوعیت کی ایک ایسی چیز ہے جس سے کسی بشر کو مستثنیٰ نہیں کیا جا سکتا، تاہم اگر کوئی اہل علم قرآن میں وقوعِ انساء پر اصرار کرتے ہوں تو ان کا یہ دعویٰ بہرحال قطعی دلیل کی بنیاد پر ہی ٹھہر سکتا ہے اور یہ کام مدعی کے ذمہ ہے، جہاں تک امکان کی بات ہے تو امکان سے ہمیں انکار نہیں لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ہر ممکن کا وجود ضروری نہیں ناممکن چیزوں کی تعداد چند سے متجاوز نہیں واللہ اعلم

۴؎ الاتقان — ۵؎ الاتقان

۶؎ الاتقان ج ۲ ص ۲۵ — ۷؎ الاتقان صفحہ مذکورہ

۸؎ الاتقان ج ۲ ص ۲۵ — ۹؎ الاتقان فی علوم القرآن ج ۲ ص ۲۵

۱۰؎ الاتقان فی علوم القرآن ج ۲ ص ۲۶ — ۱۱؎ النساء ۸۲

۱۲؎ ورنہ پھر یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ قرآن میں فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے اختلاف ہے اور ظاہر ہے کہ یہ بات خود قرآن مجید کی تصریح کے خلاف ہوگی۔

۱۳؎ اگر ان عبارتوں پر غور کیا جائے جن کو منسوخ التلاوۃ مع الحکم کے ثبوت میں پیش کیا گیا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ایسی تمام تر عبارتیں یا تو قرآن کی بنیادی تعلیمات پر مشتمل ہیں یا اخباری طرز کی ہیں اور ظاہر ہے کہ اخبار یا بنیادی تعلیمات میں نسخ کی بات بھی خارج از بحث ہے۔

۱۴؎ واضح رہے کہ اکثر فقہائے کرام کے نزدیک مجرد حمل کی بنا پر کسی عورت کو رجم نہیں کیا جا سکتا۔

۱۵؎ بلوغ المرام مع تعلیقہ اتحاف الکرام صفی الرحمٰن مبارک پوری ص ۳۳۱ طبع مطبعہ سلفیہ بنارس ۱۹۹۲ء

ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی کی ایک اہم کتاب

ایمان و عمل کا قرآنی تصوّر

الطاف احمد اعظمی

○ ایمان و عمل کے مروجہ تصور کی کمزوریوں کی نشان دہی کرتی ہے۔ ○ قرآن و سنت کے نقطۂ نظر کی مدلل اور دلنشیں تشریح کرتی ہے ○ ایمان و عمل کے تقاضے اور دنیا اور آخرت میں کامیابی کی راہ واضح کرتی ہے

آفسٹ کی طباعت۔ خوبصورت سرورق۔ صفحات ۲۸۰ قیمت ۲۵ روپئے لائبریری ایڈیشن ۴۰ روپئے

ملنے کا پتا: ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی۔ پان والی کوٹھی۔ دودھ پور۔ علی گڑھ ۲۰۲۰۰۲